فلسفۂ قِصَصِ قرآن

حجۃ الاسلام سید ثمر علی نقوی

مقدمہ:

قرآن مجید خالق کائنات کی جانب سے نازل کردہ ایسی جامع کتاب ہے جس میں انسانی ہدایت کے تام و تمام اصول موجود ہیں: ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم [1] اگرچہ قرآن کریم ایسا بحر عمیق ہے کہ جس کی گہرائی میں غوطہ ور ہونا سوائے معصومین کے میسر نہیں: وان القران ظاھرہ انیق وباطنہ عمیق [2] "اس قرآن کا ظاہر خوش نما اور باطن گہرا ہے۔" لیکن اس کے باوجود اسی دریائے ناپیدا کنار میں غوطہ لگا کر تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا بھی سب کا فریضہ ہے کیونکہ خود قرآن نے مقصد نزول کو اس طرح بیان فرمایا ہے: کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا ایاتہ [3] یعنی: "یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے آپ (رسول ﷺ) کی طرف نازل کیا تاکہ یہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور صاحبان عقل نصیحت حاصل کریں۔" قرآن حکیم نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جو قرآن میں تدبر نہیں کرتے انہیں مورد سرزنش وعتاب قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا [4] یعنی: "کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی غور نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔"

یہاں ''تدبر فی القرآن'' کی دعوت ہے۔ ''تدبر'' مادہ ''دبر'' سے ہے۔ جس کے معنی نتائج و عواقب پر نگاہ کے ہیں جب کہ تفکر میں زیادہ تر علل واسباب میں غور و فکر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ [5] غرض یہ کہ قرآن نے دعوت عام دی ہے ''تدبر'' کی اگرچہ تدبر اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دلوں پر سے خواہشات نفسانی، جہالت وضلالت اور تعصب و تکبر کے لگے تالے نہ اتارے جائیں۔ ایک طرف عمومی دعوت ہے جب کہ دوسری طرف انسانی اذہان وعقول مختلف ہیں بعض عقلیات کی بلند پروازی پر فائز ہیں تو بعض حسیات و تخیلات کی وادیوں میں گم ہیں اس بنا پر خدائے علیم و حکیم نے قرآنی تعلیمات کو مختلف اسلوب میں بیان کیا ہے کہیں عقلی استدلال ہے تو کہیں موعظہ وجدل کہیں علمی بیانات ہیں تو کہیں قصص و تمثیلات بھی ہیں اگر متشابہات موجود ہیں و محکمات بھی وجود رکھتی ہیں۔ اور یہی ام الکتاب ہیں: فیہ آیات محکمات وھن ام الکتاب واخر متشابھات [6] قرآن ایک انسان ساز کتاب ہے جو انسانی سعادت کا مکمل پروگرام دیتا ہے۔

نیز چونکہ قرآن کتاب ہدایت ہے اور لوگوں کو راہ راست پر چلنے کی راہنمائی کرتا ہے۔ لہٰذا ایسی تعلیمات و حقائق بیان کرتا ہے جو معاشرے کی ضرورت ہوں اور جن کا بیان کرنا دین کی ذمہ داری ہے: مافرطنافی الکتاب من شی[7] یعنی: "ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔" نیز فرمایا: فیہ تبیان لکل شی[8] یعنی: "اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے۔" یعنی تمام ایسی باتیں جو انسان کی دنیاوی واخروی سعادت کا باعث بن سکتی ہیں قرآن نے ہر طبقہ کے افراد کے لیے واضح بیان کر دی ہیں۔قرآن نے صرف انسان کی اخروی اور معنوی زندگی کے اصول بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر وہ شئی جو سعادت بشر میں موثر ہو سکتی ہے بیان کر دی یہی وجہ ہے کہ قرآن نے انفرادی مسائل سے لے کر تمام معاشرتی سیاسی ثقافتی مسائل کو اس خصوصیت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ سب لوگ اپنی استعدادِ فہم کے مطابق استفادہ کر سکیں،نہ عام لوگوں کو سمجھنے میں دشواری پیش آئے اور نہ دانشور اس سے بے نیاز ہوں جب کہ عام انسانوں کی تحریر کردہ کتابیں یا صرف عام لوگوں کے لیے لکھی جاتی ہیں جو دانشور طبقہ کی دلچسپی کا موضوع نہیں یا مشکل و پیچیدہ طریقہ سے لکھی جاتی ہیں کہ عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہوتی ہیں۔

لیکن قرآن اس طرح نہیں عام لوگ اسے پڑھتے ہیں تو اس کی مٹھاس اور حسن کا احساس کرتے ہیں اور عاشقانہ وار اس کے احکامات کو دل وجان سے قبول کرتے ہیں دوسری جانب دانشور طبقہ اور اہل فکر و نظر حضرات قرآن کی اعلیٰ فصاحت و بلاغت کا ادراک کرتے ہوئے اپنے قلب و عقل کی زینت وجمال میں مزید اضافہ کرنے کی خاطر اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔قرآن کے انداز گفتگو کی خصوصیت یہ ہے کہ ظہور اسلام کے دور جاہلیت اور بدوی معاشرہ کے مخاطبین بھی استفادہ کرتے ہیں اور آج کے علمی سائنسی ترقی یافتہ دور کے ماہرین بھی استفادہ کرتے ہوئے اس سے ہدایت وراہنمائی لیتے ہیں،اس خصوصیت کے بارے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: قرآن چار بنیادوں پر استوار ہے:

متن ،اشارات ،ظریف نکات،اور حقائق ۔قرآن کا متن عام لوگوں کے لیے ہے۔ اشارات خاص اور اہل علم حضرات کے لیے۔اس کے ظریف نکات سے مخلص تدبر کرنے والے اور اولیا اللہ مستفید ہوتے ہیں جبکہ اس کے حقائق کی مکمل معرفت انبیاء و معصومین کو حاصل ہو سکتی ہے۔[9] متن قرآن کا ایک حصہ ''قصص''پر مشتمل ہے جن کو دیکھ کر ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ قرآن تو ہدایت کی کتاب ہے۔تاریخی قصہ کہانیوں کی کتاب نہیں ہے پھر ان واقعات کو بیان کرنے کا کیا فلسفہ ہے؟کس حکمت کے پیش نظر خدائے علیم و حکیم نے گذشتہ امتوں اور سابقہ انبیاء کی داستانیں نقل کی ہیں؟ اس کا جواب اس مختصر تحریر میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ

معترضین کو جواب دینے کے علاوہ مومنین ان'' قصوں'' کی لطیف حقیقتوں سے اپنے دلوں کو روش ومنور کرسکیں۔ ''قصص ''کا لغوی واصطلاحی معنی :۔ لفظ'' قَصَصٌ '' مصدر ہے اور مفرد ہے جس کے معنی ''متابعت ''کے ہیں اس کے مختلف معانی میں سے ایک قصہ یعنی داستان ہے مفردات راغب میں ہے :القصّ تتبع الاثر یقال قصصت الاثر[10] میں نے اس کے نشانات کا تعاقب کیا۔

قرآن مجید کی بعض آیات میں یہی لغوی معنی استعمال ہوا ہے:وقالت لاختہ قُصّیہ[11] یعنی: "اور کہا اس (مادر موسیٰ) نے موسیٰ کی بہن سے کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی۔"جناب قرطبّی لکھتے ہیں: اصل القصص تتبع الشی فا القصاص یتبع الاثار فیخبربہا یعنی: " کسی چیز کی دریافت کے لیے پیچھے چلنا لہٰذا 'قصاص' کو اس لیے قصاص کہا جاتا ہے۔" کیونکہ اس میں قتل کے آثار کا کھوج لگایا جاسکتا ہے۔[12] اصطلاح میں قصہ کو قصہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک واقعے کی جستجو اور اس کا تعاقب کرتا ہے۔ نیز چونکہ اس کے الفاظ اور جملات پے در پے اور ایک دوسرے سے پیوستہ بیان ہوتے ہیں۔''قصہ ''اپنے اصطلاحی معنی میں قرآن کے کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے۔

۱۔لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب[13]یعنی: "ان قصوں میں صاحبان عقل کے لیے عبرت ہے۔"

۲۔فلما جاء ہ وقص علیہ القصص قال لا تخف[14]یعنی: "جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان (حضرت شعیبؑ)کے پاس آئے اور سارا قصہ انہیں سنایا تو وہ کہنے لگے خوف نہ کرو۔۔۔"

۳۔نحن تقص علیك احسن القصص[15] یعنی: "ہم تمہارے لیے بہترین قصہ بیان کر رہے ہیں۔" اس سورہ یوسف میں اگر ''قصص ''کو مصدر پر حمل کیا جائے تو اس کے معنی ہوں گے: نحن نقص احسن الاقتصاص یعنی احسن البیان۔ اس صورت میں احسن کا تعلق بیان سے ہوگا نہ کہ قصہ سے یعنی یہ بیان فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے حد اعجاز تک پہنچا ہوا ہے۔

اس بناپر بعض علماء پورے قرآن کو احسن القصص قرار دیتے ہیں۔لیکن اگر مصدر کی بجائے '،مفعول 'کے معنی پر حمل کیا جائے مثلا اللہ رجائنا یعنی اللہ مرجوّنا پھر اس سے وہ امور حکمت و عبرت اور نکات بدیعہ اور عجائبات غریبہ مراد ہونگے جو قرآن کے کسی اور قصہ میں نہیں پائے جاتے۔ احسن اس لیے کہا گیا ہے کہ اایک ہی قصہ میں حاسد و محسود،مالک و مملوک ،شاہد و مشہود ، عورتوں کے مکاریاں،توحید و معاد، سیاست وتدبیر مملکت، حسن معاشرت ،تدبیرِ معاش، ایثار واخلاص ، عفت و پاکدامنی اور دین و دنیا کی اصلاح جیسے بہت سے امور کا ذکر بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔

درحقیقت یہ ''قصہ ''فقط ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ وعظ ونصیحت اور فکر وبصیرت کا ایک مجموعہ، قوت ایمانی ،صبر وشکر، عفت وعصمت دیانت وامانت ،استعانت واستقامت اور تقوی وطہارت نفس کا بہترین مرقع عبرت ہے۔فروغ اللغہ نے قصے کی تعریف اس طرح کی ہے۔ حدیث اور قصے میں فرق یہ ہے کہ قصہ حدیث سے زیادہ طولانی ہوتا ہے اکثر گزشتہ لوگوں کے حالات کو بیان کرتا ہے: نحن نقص علیك احسن القصص عربی زبان میں قصے کا اصلی معنیٰ کس چیز کے پیچھے جانا ہے اور چونکہ قصے میں بعض واقعات دوسرے کے بعد اور پیچھے ہوتے ہیں اس لیے اسے قصہ کہا جاتا ہے۔[16]

قصہ کے لغوی معنی پر غور کیا جائے تو 'پے در پے 'یا جستجو والی مناسبت اس کے اصطلاحی معنی میں واضح اور عیاں نظر آتی ہے۔ کیونکہ معمولاً ادبی اور تخیلاتی قصوں میں ایک خیالی موجود کی حقیقت حال اور اس کی روداد کو اس طرح پے در پے الفاظ وجملات کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے کہ پوری توجہ اس خیالی موجود (ہیرو) پر مذکور ہوتی ہے گویا قصہ اس آئینے کی مانند ہوتا ہے جس سے پورا وجود نظر آسکتا ہو۔ اس لیے قصہ کہانی کو حکایت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اگرچہ حکایت اور قصہ میں بنیادی طور پر فرق ہے لیکن قریب المعنی ہیں چونکہ حکایت کا لفظ عربی زمان میں 'شبہیہ 'کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ''حکی یحکی حکایۃ'' نقل اتارنا یا مشابہ ہونا۔[17]

بنابراین قصہ وحکایت کے ذریعے الفاظ وجملات لباس میں گزرے ہوئے واقعہ میں موجود تمام کرداروں کی تصویر کشی کی جاتی ہے مخصوصاً اگر یہ واقعہ حقیقت پر بھی مبنی ہو تو اس قصہ کے آئینے میں اس حقیقت کی واضح شکل نظر آجاتی ہے۔اگرچہ ادبی قصہ وداستان میں سرے سے اصل واقعہ ہی بناوٹی ہوتا ہے یا کم از کم اس کا، ہیرو بناوٹی وخیالی ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود سننے اور پڑھنے والے پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے جب کہ قرآن پاک میں بیان شدہ واقعات، حقائق سے عکاسی کرتے ہیں اس لیے ان میں موجود وکردار مجسم ہو کر انسانی روح پر حقیقی اثرات چھوڑتے ہیں۔مذکورہ بالا وضاحت کے پیش نظر قرآنی قصص کی حکمت وفلسفہ کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

قرآن میں گزشتہ اقوام اور راہبران الٰہی (انبیاءؑ) کے واقعات بغیر کسی تحریف کے بذریعہ وحی بیان ہوئے ہیں: تلك من انباء الغیب نوحیها ای الیك ما كنت تعلمها انت ولا قومك من قبل هذا یعنی: "یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں جن کا علم نہ آپ کو تھا اور نہ آپ کی قوم کو۔"[18] کتب تاریخ میں نقل شدہ واقعات اور قرآنی قصص میں نہایت درجے کا فرق ہے۔اول الذکر میں حق وباطل کی آمیزش کی وجہ سے 'حق وحقیقت ' کی شناخت ناممکن ہے جب کہ موخر الذکر 'حق 'کا آئینہ دار ہے: ما كان حدیثاً یفتریٰ ولكن تصدیق الذی بین یدیه وتفصیل كل شی وهدی ورحمة لقوم یومنون یعنی (قرآن) گھڑی ہوئی باتیں نہیں بلکہ

اس سے پہلے آئے ہوئے کلام کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل بتانے والا اور صاحبان ایمان کے لیے ہدایت ورحمت ہے۔[19]

قرآنی قصوں میں موجود سارے حقائق وحی پر مبنی ہیں ورنہ مکہ جیسے ماحول میں زندگی گزارنے والے کسی شخص کے پاس کسی قسم کے تاریخی ذرائع نہ تھے اگر کسی قدیم کتاب میں بعض واقعات ملتے بھی ہیں تو زیادہ تر تحریف شدہ واقعاتی پہلو ہیں جب کہ قرآن کی ان روحانی پہلوؤں کو بیان کرتا ہے جن میں ہدایت انسان کے اصول پائے جاتے ہوں۔ حضرت امام خمینی فرماتے ہیں: "تمام انبیا آئے ہیں ہماری راہنمائی اور تربیت کرنے کے لیے انبیا انسان اور انسان سازی کی خاطر آئے ہیں کتب انبیا ''انسان ساز'' کتابیں ہیں، قرآن کریم ''کتاب انسان'' ہے علمِ انبیا کا موضوع ''انسان'' ہے پورے کا پورا مخاطب (مورد خطاب) انسان ہے سب باتیں انسان سے کی ہیں تمام خیرات وسعادت کا محور انسان ہے لیکن اگر ''انسان'' نہیں ہے تو پھر سب ظلمات ہے۔"[20] قرآنی داستان اور تاریخی یا ادبی داستان کی تاثیر کے درمیان وہی فرق ہے جو شہد کو بیداری کی حالت میں کھانے اور حالت خواب میں کھانے کا فرق ہے حالت خواب میں صرف یہ اثر ہے کہ لعاب ٹپک آئے جب کہ حقیقی اثر، روحانی و جسمانی قوت وتوانائی کا حصول ہے۔

علاوہ براین داستان وقصہ، انسانی روح پر ایک خاص جاذبہ رکھتا ہے جس کی تاثیر انسان پر بچپن سے بڑھاپے تک نہایت درجہ ہوتی ہے اس کا راز بھی واضح ہے کیونکہ انسان 'عقلی' ہونے سے پہلے 'حسی' ہوتا ہے یعنی فکر وعقل کے مسائل میں غور وغروض کرنے سے زیادہ وہ حسی مسائل کا آسانی سے ادراک کرلیتا ہے۔ لہٰذا مسائل اس کے حواس پنجگانہ سے جتنا دور ہوتے جائیں گے اور عقلیات کی وادی کے قریب تر ہوتے جائیں گے اتنا ہی اس کے لیے ان کا ہضم کرنا مشکل تر ہوتا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عقلی استدلالات کو ذہن نشین کرانے کے لیے حسی مثالوں کا سہارا لینا بہترین اسلوب شمار کیا جاتا ہے قرآن چونکہ ہدایت بشر کا سرچشمہ ہے اس میں داستانوں کے ذریعے بھی تربیت انسانی کا انتظام کیا گیا ہے ان عبرت بھرے واقعات کو جو گزشتہ ادوار میں یقیناً رونما ہوئے ہیں بیان کرکے انسان کو ایک ایسا آئینہ دکھا دیتا ہے جس سے فتح وشکست کے عوامل کا نظارہ کیا جاسکتا ہے نیز کامیابی وناکامی، خوش بختی وبد بختی، سربلندی وپستی یعنی ہر قسم کے نشیب وفراز کو اس آئینہء حقیقیت نما سے باآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔

آیت اللہ مکارم فرماتے ہیں: ''داستان وقصہ'' سب کے لیے قابل فہم ہونا ہے جب کہ عقلی استدلال کو درک کرنا سب کے بس کی بات نہیں اس بنا پر وہ کتاب جو عامہ الناس عرب بدو سے لے کر فیلسوفان ومتفکر جہان کے لیے قابل استفادہ ہے ضروری ہے کہ وہ مثالوں اور داستانوں کے اسلوب سے بھی خالی نہ ہو۔ لہٰذا قرآن کریم نے تعلیم وتربیت کی ایک بہترین روش کا بھی سہارا لیا ہے باالخصوص قرآن چونکہ تاریخی کتاب نہیں لہٰذا اس نے

صرف خالی واقعہ کو نقل کرنے پر اکتفا نہیں بلکہ ہر داستان سے ایک نتیجہ ضرور اخذ کیا ہے تاکہ ہر واقعہ سے تربیتی فائدہ بھی حاصل کیا جائے۔[21]

انسانی افکار پر تجربات و مشاہدات کے اثرات اتنے راسخ ہیں کہ جن کے نقوش تادم مرگ اذہان سے زائل نہیں ہوتے۔ تاریخ انسانی زندگی کے گوناگوں مسائل کے لیے ایک آزمائش گاہ ہے عام طور پر انسان کے لیے قابل اطمینان معلومات وہ ہوتی ہے جو حواس پنجگانہ سے متعلق ہوں علاوہ بر این انسان کو حقائق تک پہچانے میں تاریخ کا کردار اظہر من الشّمس ہے داستان در حقیقت اپنی بے زبانی سے مختلف مکاتب فکر ان کے طور طریقوں اور بے انصافیوں کے ناقابل انکار نتائج کو عام ذہن میں راسخ کر دیتی ہے باالفاظ دیگر گذشتہ اقوام کے واقعات اور نہایت قیمتی عمدہ تجربات کو ہم تک منتقل کرتے ہیں۔

گویا تاریخ ایک ایسا آئینہ ہے جو انسانی معاشرے کے اتار چڑھائی ان میں موجود اچھائی و برائی، کامیابی ناکامی، صلح و جنگ جیسے تمام معاملات کو واضح دکھاتا ہے اس وجہ سے گزشتہ اقوام کی تاریخ کا مطالعہ انسان کو بالکل انہی کی عمر کے مطابق اس کی عمر کو بھی طولانی کر دیتا ہے۔ اسی دلیل کی بنا پر حضرت امیر المومنین علیؑ فرماتے ہیں: ای بنییّ انی وان لھم اکن عمرت عمر من قبلی فقد نظرت فی اعمالھم وفکرت فی اخبارھم وسرت فی آثارھم حتی عدت کاحدھم یعنی: "اے فرزند: اگرچہ میں نے اتنی عمر نہیں پائی جتنی اگلے لوگوں کی ہوا کرتی تھی پھر بھی میں نے ان کی کا گزراریوں کو دیکھا ان کے حالات واقعات غور وفکر کیا اور ان کے چھوڑے ہوئے نشانات میں سیر وسیاحت کی یہاں تک کہ گویا میں بھی انہی میں سے ایک ہو چکا ہوں بلکہ ان سب کے حالات و واقعات میں جو مجھ تک پہنچے گئے ہیں ان کی وجہ سے ایسا ہے کہ گویا میں نے اول سے لے کر آخر تک کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔"[22]

بنا براین وہ کتاب (قرآن) جو تربیت بشر کا عالی ترین پروگرام پیش کر رہی ہو کیسے ممکن ہے تربیت کے اس اسلوب سے خالی ہو۔ حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ان عزیزالجبار انزل علیکم کتابة وھو الصادق البار فیہ خبرکم وخبر من قبلکم وخبر من بعد کم وخبر السماء والارض ولو اتاکم یخبرکم عن ذالك لتعجبتم[23] یعنی: "خدائے عزیز وجبار نے تمہارے لیے ایسی کتاب بھیجی ہے جو حق سچ ہے جس میں تمہاری اور تم سے پہلے والوں کی خبریں واطلاعات موجود ہیں یہ خبریں اس حد تک واقعیت کے مطابق ہیں کہ اگر کوئی وہاں کا مشاہدہ کرنے والا تمہیں آکر خبر دے تو تم تعجب کروگے کہ کس قدر یہ خبر کسی کمی بیشی کے بغیر واقع کے عین مطابق ہے جس نے قرآن پر اعتماد کیا اس نے حقیقت پر اعتماد کیا ہے کیونکہ یہ خلاف واقع نہیں ہے۔" قرآن مجید میں کئی

مقامات پر داستان کے مقاصد کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ بعض آیات میں واضح طور پر قصہ قرآنی کے فلسفہ کو بیان کیا گیا ہے ذیل میں قرآنی قصہ کی وہ حکمتیں جو خود قرآن نے بیان کی ہیں۔

قرآن کی نظر میں فلسفہ قصص قرآن:۔

قرآن ایک تاریخی کتاب نہیں ہے جس میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان کیے گئے ہوں بلکہ قرآن انسان کی سعادت اور اس کے تکامل کے اصول بیان کرتا ہے لہٰذا جو چند داستانیں بیان کی ہیں ان میں بھی یہی مقصد مد نظر رہا ہے۔

1۔اثبات نبوت رسول اکرم ﷺ

رسول اکرم ﷺ کو ہادی بشریت بنا کر بھیجا گیا جس قدر آپ ﷺ پر اعتماد و ایمان پختہ ہوگا اسی قدر آپ ﷺ سے ہدایت بھرے پیغامات یقین کامل کے ساتھ حاصل کیے جائیں گے۔ خداوند کریم نے رسول خدا ﷺ کی زبان سے حقیقت پر مبنی سابقہ امتوں کے واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ:

اولاً: یہ کسی غیبی مخبر سے متصل ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا: نحن نقص علیك احسن القصص بما اوحینا الیك هذا القرآن وان کنت من قبله لمن الغافلین یعنی: ہم آپ کے سامنے ایک بہترین قصہ بیان کر رہے ہیں جس کی وحی اس قرآن کے ذریعے آپ کی طرف کی گئی ہے اگرچہ اس سے پہلے آپ اس سے بے خبر تھے۔[24] یہ اشارہ ہے کہ یہ پورا قصہ وحی کا نتیجہ ہے ورنہ اس دور میں کوئی اس واقعہ سے باخبر نہ تھا کہ یہ تصور کیا جائے کہ رسول خدا ﷺ نے کسی سے سن کر سیکھ لیا ہوگا: وما کنت بجانب الغربی اذقضینا الیٰ موسی الامر وما کنت من الشاهدین یعنی: "اور آپ اس وقت طور کے مغربی رخ پر نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کی طرف اپنا حکم بھیجا اور آپ اس واقعہ کے حاضرین میں بھی نہیں تھے۔"[25] نیز بعد والی آیت میں فرمایا کہ ''آپ طور کے کنارے موجود نہ تھے جب ہم نے ندا دی تھی بلکہ (آپ کا رسول بنانا) آپ کے پروردگار کی رحمت ہے تاکہ آپ قوم کو تنبیہ کریں کہ شاید وہ نصیحت حاصل کریں''[26] اس قسم کی دیگر آیات بھی موجود ہیں جن کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جو کچھ رسول خدا ﷺ تمہیں بتاتا ہے۔ یہ وحی الٰہی کے ذریعے حاصل کرتا ہے لہٰذا شریعت اور احکام بھی جو قرآن میں موجود ہیں یہ بھی اسی منبع سے آئے ہیں۔

ثانیاً:۔ تمام انبیاء کرام چونکہ ایک ہی سرچشمہ سے سیراب ہوتے تھے اس لیے ان سب کا اسلوب تبلیغ اور پیغام تبلیغ بھی ایک تھا۔ انہوں نے انسانوں کو ایک ہستی کی طرف رجوع دیا اور اُسی ''واحد'' کی عبادت و بندگی کا حکم دیا: 'ولقد

اتینا موسی وھارون الفرقان وضیاء وذکرا للمتقین یعنی: "اور ہم نے موسی وہارون کو حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب عطا کی ہے جو ہدایت کی روشنی اور صاحبان تقویٰ کے لیے یا دالٰہی کا ذریعہ ہے۔[27] اس کے بعد والی آیت میں قرآن کے بارے میں فرمایا: وھذا ذکر مبارك انزلنا ہ افانتم لہ منکرون یعنی: "یہ قرآن ایک مبارک ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے کیا تم اس کا بھی انکار کرنے والے ہو۔"[28] سورہ انبیا میں بعض انبیاء کرام کا ذکر اور ان کی طرف سے پیغام الٰہی پہنچانے کے انداز کو بیان کرنے کے بعد ایک کلی قاعدہ کے طور پر فرمایا: انھم یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا ورھباً وکانو لنا خاشعین یعنی: "(یہ تمام انبیاءؑ) وہ لوگ تھے جو کارہائے خیر میں سبقت لے جانے والے اور بارگاہ الٰہی سے متصل رہنے والے تھے۔"[29] مزید تفصیل کے لیے سورہ شعرا کی آیات ۱۰۵ سے بعد ملاحظہ فرمائیں۔ ان قصوں کے ذریعے سادہ ذہن رکھنے والے افراد کا بھی اس بات پر یقین پیدا ہوگا کہ ان انبیا کا خدا سے رابطہ ہے کیونکہ اس اتصال اور ارتباط کی کیفیت کو واقعات میں بطور احسن مجسم کیا گیا ہے۔[30]

ثالثا: تمام انبیا نے انسان کو کمالات کی بلندیوں پر لے جانے کے لیے عالی ترین پروگرام پیش کرتے لیکن پستیوں میں رہنے والے لوگ اپنے ان راہنمائوں کو ہر طرح کی تکلیفیں پہنچاتے خاتم الانبیا حضرت محمد ﷺ کے مخلفین نے تو آزار واذیت کی انتہا کر دی خداوند کریم نے رسول اکرم ﷺ کو تسلی دینے کی خاطر بعض سابقہ انبیا کے ساتھ ان کی امتوں کی کارستانیوں کا ذکر کیا تاکہ اس سے قلب مقدس رسول خدا ﷺ کو ثبات و اطمینان خاطر ملے کہ گزشتہ انبیا بھی ایسے نامساعد اور مشکل حالات سے دوچار رہے اور آخر میں ہمیشہ نتائج انبیا کے حق میں رہے، اور مخالفین کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا: وکلا نقص علیك من انباء الرسل ماثثبت بہ فوادك ۔۔۔۔۔ یعنی: "اور ہم قدیم رسولوں کے واقعات آپ سے بیان کر رہے ہیں تاکہ ان کے ذریعے آپ کے دل کو مظبوط رکھیں اور ان واقعات میں حق، نصیحت اور صاحبان ایمان کے لیے سامان عبرت بھی ہے۔"[31] علاوہ ازیں وہ واقعات حسن میں نصرت الٰہی انبیا کے شامل ہوئی اثبات نبوت کے لیے بہترین دلیل ہیں

2: درس عبرت :-

قرآن مجید گزشتہ امتوں کے مثبت و منفی کردار کو نقل کرکے آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے سامان عبرت فراہم کرنا چاہتا ہے عبرت کا معنی ہے عبور کرنا یعنی ان واقعات میں موجود مذموم پہلوؤں سے عبور کرکے صداقت وسعادت کی راہ پر چلنے کی ترغیب دی گئی ہے: لقد کان فی قصصھم عبرۃً لاولی الالباب۔[32] یعنی: "یقیناً ان واقعات میں صاحبان عقل کے لیے سامان عبرت ہے ۔"مثال کے طور پر صرف سورہ یوسف میں بہت زیادہ سبق آموز درس موجود ہیں۔علامہ جوادی فرماتے ہیں : یہ عبرت خیز واقعہ ہے جس میں نمایاں طور پر حسب ذیل نکات پائے جاتے ہیں:

۱۔انسان کو دین ومذہب کے مقابلے میں کسی خواہش کی طرف نہیں جھکنا چاہیے۔

۲۔ حق وصداقت اور تقویٰ کی راہ میں کسی بھی مصیبت کی کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

۳۔ مصائب کتنے ہی شدید کیوں نہ ہوں رحمت خدا سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

۴۔ سخت ترین حالات میں بھی ظالموں کی خوشامد نہیں کرنی چاہیے۔

۵۔ مجرم شرمندہ ہو جائے تو اسے معاف کردینا چاہیے لہذا اپنا احسان نہیں جتلانا چاہیے وغیرہ۔[33]

اس داستان کے ذریعے فساد کے سب سے بڑے عامل شہوت پرستی اور جنسی بے راہ روی کے سد باب کا فلسفہ بتایا گیا ہے۔ دور حاضر سراسر انتشار، ذہنی پراگندگی، غیر یقینی کیفیت ،خواہشات پرستی ،بے دینی اور مادی ترقی کے انتہائی عروج کا دور ہے فحاشی و عریانی اور حیوانی جذبات کے معاشرہ میں مذموم خواہشات نفسانی سے بچنے کے لیے حضرت یوسف صدیق ؑ کی زندگی ہمارے لیے ایک عظیم مثال اور نمونہ عمل پیش کرتی ہے۔

ایک صاحب اقتدار ،صاحب مال وجمال مصر کی حسین ترین عورت جس کے گھر میں یوسفؑ ایک غلام ومحکوم کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں اس عورت کے والہانہ فریفتگی ،زبردست اصرار، بے پناہ ترغیبات وتربیبات ،پھر آپ کا بھر پور جوانی کا زمانہ، ان ترغیبات کے سامنے حضرت کا مال ودولت ، عیش وتنعّم ،اور حسن وجمال کو ٹھکرانا ،طہارت نفس پر باقی رہنا اور پھر عزیز مصر کی بیوی کے انتقامانہ دھمکیوں کی پروانہ کرنا نیز زنان مصر کی عشوہ طرازیوں ،کی نظر انداز کرنا اور اس کی بجائے قید وبند کی زندگی کو ترجیح دینا، پاکیزگی روح اور حسن اخلاق کی اس سے بڑھ کر کہیں مثال نہیں مل سکتی۔

اس مثال کو پیش نظر رکھ کر دور حاضر کے سب سے بڑے فتنے شہوت پرستی وعیاشی کی لعنت سے نجات پائی جاسکتی ہے یہ داستان اور دیگر قرآنی داستانیں ایک ایسا صاف وشفاف آئینہ ہے جس میں نقوش عبرت کو صاحبان

علم و تقویٰ مشاہدہ کر سکتے ہیں۔خداوند کریم لوگوں سے چاہتا ہے کہ وہ گزشتہ امتوں کی یاد میں رہیں تاکہ ان سے عبرت حاصل کریں۔[34] قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین ھذا بیان للناس وھدی وموعظۃ للمتقین یعنی: "تم سے پہلے مثالیں گزر چکی ہیں اب تم زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے یہ عام انسانون کے لیے ایک بیان حقائق ہے اور صاحبان تقویٰ کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔"[35]

اس آیہ کریمہ میں صاحبان ایمان کو دوسری قوموں کے حالات کا جائزہ لینے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ دیکھیں کہ انبیا کرام کی اتباع نہ کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے اور وعدہ الٰہی پر اعتبار نہ کرنے والے کس طرح تباہی کے گھاٹ اترتے ہیں۔تاریخی واقعات کی قدر و قیمت اسی وقت ہے جب ماضی کے اس آئینے میں حاضر و مستقبل کا پورا نقشہ آجائے وگرنہ یہ پہلو مد نظر نہ ہو تو مجرد داستان سرائی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔داستان اصحاب کہف سے بھی چند اہم سبق آموز نکات حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔طاغوت کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کے مقابلے میں ڈٹ جانا ممکن ہے

۲۔فاسد ماحول میں ڈھل جانا درست نہیں بلکہ ماحول کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

۳۔ایمان کے تحفظ کی خاطر قیمتی ترین آسائشات کو ترک کرنا جوانمردی ہے

ہر قسم کی نعمات سے مزین محلات کو چھوڑ کر تنگ و تاریک غار میں پناہ لینا ظلم سے نفرت اور عدالت سے محبت کا بہترین ثبوت ہے اس طرح ہر داستان قرآنی دُرہائے عبرت سے پُر ہے۔علامہ طباطبائی فرماتے ہیں :۔قرآن ''تاریخی کتاب'' کے عنوان سے نازل نہیں ہوا گزشتہ لوگوں کی اچھی یا بری باتیں نقل کرے بلکہ قرآن کتاب ہدایت ہے جو انسانوں کی سعادت کے اسباب وعوامل اور حق کو واضح انداز میں انسانوں کے لیے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ ان پر عمل کرکے دینا و آخرت کی سعادت حاصل کریں کبھی قرآن سابقہ انبیا اور گزشتہ امتوں کے کسی ایک پہلو پر روشنی ڈالتا ہے تاکہ بندوں کے درمیان سنت وروش الٰہی کو واضح کرے۔اس ذریعے سے خدا کی عنایت اور توفیق جن کے شامل حال ہو جائے وہ ان واقعات سے نصیحت حاصل کریں اور عبرت لیں نیز دوسروں کے لیے اتمام حجت ہو جائے۔[36]

۳۔موعظہ :۔خوف وزجر (دھمکی) سے مرکب ''نصیحت'' کو موعظہ کہا جاتا ہے۔علامہ طبرسی فرماتے ہیں یوعظہ بہ ([37]) (یزجز و یخوف ہے) اس حکم کے ذریعے موعظہ کرتا ہے یعنی اس کے سبب سے سرزنش کرتا اور ڈراتا ہے: فمن جاءہ موعظۃ من ربہ[38]، معناہ فمن جائہ زجرونھی وتذکیر یعنی: جب قرآن کہتا ہے کہ جس کی طرف خد

کی جانب سے موعظہ آگیا یعنی نہی اور یاد ہانی آگئی۔[39] اصل میں نقصان دہ امر کے وقوع اور پسندیدہ شی کے ضیاع سے گھبرانے کا نام خوف ہے۔خوف انسان کے اندر ایک انفعالی کیفیت ہے جو ناگوار چیز کے وقوع اور محبوب چیز کے فوت ہوجانے کی توقع کی بناپر پیدا ہوتی ہے۔قرآن کو خداوند وقدوس نے موعظہ قرار دیا ہے یعنی ایسی نصیحت ہے جو انسان کو انجام کا اور خطرات سے باخبر کرتے ہوئے اطاعت وفرمانبرداری کی ترغیب دلاتا ہے تاکہ انسان اور معاشرہ اصلاح کی راہ پر گامزن ہوجائے۔مثال کے طور پر زمانہ جاہلیت کی ایک رسم ''ظہار ''[40]کی طرف اشارہ کرنے کے بعد خدافرماتا ہے: ذالکم توعظون بہ یعنی: یہ خدا کی طرف سے تمہارے لیے نصیحت ہے۔[41]

یہ آیت اس واقعہ کی طرف متوجہ ہے جس میں ایک عورت کے شوہر نے غصہ میں اگر اپنی بیوی کو ماں کے برابر کہہ دیا تھااور پھر دونوں شرمندہ ہو گئے تھے تو زوجہ نے رسول خداﷺ کی خدمت میں آکر داستان غم سنائی تو آپﷺ خاموش رہے اس نے اصرار کیا تو آپﷺ حکم خدا کے منتظر رہے یہاں تک کہ آیت نازل ہوئی ''کہ اظہار کرنے سے عورت ماں نہیں ہوجاتی کفارہ دے کر دوبارہ تعلقات قائم کر سکتے ہیں ''۔کفارہ کا حکم بیان کرنے کے بعد فرمایا: ذالکم توعظون بہ یعنی: "اس طرح تمہیں نصیحت کی جاتی ہے" کہ آئندہ کوئی جرات نہ کرے اور عورت بھی ایسے اسباب فراہم نہ کرے جس سے ظہار کی نوبت آئے جو ذہنی کرب واضطراب میں مبتلا کر دے یہ کفارہ در حقیقت تمہاری بیداری کا ذریعہ ہے تاکہ تم اس ڈر سے حرام کاموں کے ارتکاب سے محفوظ رہو۔

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: یا ایھا الناس قد جا تکم موعظة من ربکم یعنی: " تمہارے پروردگار کی طرف سے یہ قرآن تمہارے پاس ایک نصیحت ہے۔[42] ایسی نصیحت جو انسان کو عذاب الہی سے بچا کر اللہ کی اطاعت وبندگی کی جانب ترغیب دیتا ہے۔ قرآن کے بیان کردہ واقعات میں نصیحت بھرے سبق ہیں کہ کفار کی طرح دنیاوی زندگی کو ہدف نہ بنالینا بلکہ اسی زندگی میں عمل صالح کرلیں تاکہ آخرت میں ندامت وشرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔سورہ ہود میں انبیا کے قصوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: وکلا نقص علیك من انباء الرسل ما نثبت به فوأدك وجاك فی هذه الحق وموعظة وذکری للمومنین[43] یعنی: "اے رسولﷺ ہم پیغمبروں کے وہ تمام حالات آپ کو بتاتے ہیں جن سے ہم آپ کو ثبات قلب دیتے ہیں اور ان کے ذریعے حق بات آپ تک پہنچ جاتی ہے نیز مومنین کے لیے نصیحت اور یاد ہانی ہو جاتی ہے۔"

اس آیہ مجیدہ سے قصص قرآنی کاایک مقصد یہ بیان ہوا کہ داستانیں اہل ایمان کے لیے وعظ ونصیحت کا بہترین ذریعہ ہیں۔ کیونکہ انسان صریح اور واضح امر و نہی سے طبیعتاً گریزاں ہے اس لیے قرآن نے ایک مہربان اور

حاذق طبیب کی طرح جو کڑوی اور تلخ دوا کیپسول میں ڈال کر پیش کرتا ہے زندگی کے اہم اصول اور سعادت وکمال کے بنیادی مسائل کو تاریخی قصوں کے بہترین لبادہ میں پیش کیا ہے ۔دوسروں کا تذکرہ کرکے اپنے پیروکاروں پر شقاوت اور سعادت کے راستوں کو روشن کیا ہے ،اور آئین ہدایت اور اتمام حجت کو عملی جامہ پہنائے تاکہ ایک مومن ان قصوں کی وجہ سے روشن ضمیر انسان بن کر کمال و جمال کے راستے پر گامزن ہوسکے اس طرح داستانی انداز میں تقوی اختیار کرنے کی ترغیب دلائی گئ ہے۔

۴۔ ضمیر کی بیداری:۔

قرآنی قصے انسانی شعور اور ضمیر کو بیدار کرنے کا بہترین ذریعے ہیں۔قرآن کہتا ہے : اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم ۔۔۔۔ یعنی: "اللہ نے بہترین کلام اس کتاب کی شکل میں نازل کیا ہے جس کی آیتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں اور بار بار دہرائی گئ ہیں کہ ان سے خوف خدا رکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں،اس کے بعد ان کے جسم اور دل یادخدا کے لیے نرم ہوجاتے ہیں۔"[44] یہی اللہ کی واقعی ہدایت ہے۔انسان کی بدبختی کا سب سے بڑا سبب قساوت قلبی ہے۔یہ قساوت قلبی گناہوں کی کثرت اور یاد خدا سے غفلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تربیت انسان کے لیے بہترین عامل بیداری اور ہوشیاری ہے اکثر اوقات گناہ اور نافرمانی، غفلت کی وجہ سے انجام پاتے ہیں ۔ قرآن کی صفت یہ ہے کہ انسانی دلوں تک نفوذ کر جاتا ہے ۔تقشعرّ (قشعریرہ) سے ہے۔ جس کے کئ معانی ہیں ایک معنی یہ ہے کہ ''بدن کی جلد کا جمع ہونا''جس طرح خوف کے وقت انسان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ بدن کے بال کھڑے ہوجاتے اور لرزہ طاری ہوجاتا ہے۔

تفسیر قرطبیؒ میں ہے : کان اصحاب النبی اذا قرء علیھم القرآن۔ کما نعتھم اللہ۔ تدمع اعینھم وتقشعر جلودھم یعنی: "حضرت رسول خداﷺ صحابہ کرام کے سامنے جب قرآن کی تلاوت کی جاتی ۔ جس طرح قرآن نے توصیف کی ہے توان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے اور بدن پر لرزہ طاری ہوجاتا۔"[45] داستان درحقیقت غافل انسان کے سامنے اس کے کردار کا آئینہ رکھ دیتی ہے جو اسے ملامت کرتا ہے لہٰذا احساس ندامت کی وجہ سے دل نرم ہوجاتا ہے اور برائیوں سے پرہیز کرنے کی طاقت پیدا ہوجاتی ہے: انہ لتذکرۃ للمتقین ' 'وانہ لحسرۃ علی الکافرین یعنی: : یہ پرہیزگاروں کے لیے یقینا ایک نصیحت ہے اور کفار کے لیے یقینا باعث حسرت ہے۔"[46]

انسان حسی مثالوں سے زیادہ متاثر ہوتا ہے گزشتہ واقعات انسانی روح پر گہرے اثرات چھوڑتے ہیں کیونکہ قرآن تعلیم وتربیت کی کتاب ہے اس لیے انسانی ضمیر کو جھنجھوڑتی ہے کہ انسان تو کہاں جارہا ہے؟ 'فاین تذھبون ان ھو الا ذکر للعالمین یعنی: "پھر تم کدھر جارہے ہو؟ یہ تو سارے عالمین کے لیے نصیحت و یاد ہانی کا سامان ہے۔"[47]

حضرت رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں: لا تغفل عن قرآت القرآن فان القرآن یحیی القلب وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعنی: "قرآن کی تلاوت سے غفلت نہ کرو کیونکہ قرآن دلوں کو زندہ رکھنے بغاوت، برائی اور بے حیائی سے روکنے کا بہترین ذریعہ ہے۔[48] بنابراین قرآن جہاں علماء اور اہل فکر و نظر کے لیے بیداری کا موجب ہے وہاں سادہ ذہن رکھنے والوں کے لیے بھی قصہ کے ذریعے بیداری کا باعث ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ سورہ اسراء ۹،۱۷

2۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۸

3۔ سورہ ص ۳۸، آیت ۲۹

4۔ محمد ۴۷، آیت ۲۴

5۔ شیرازی، ناصر مکارم، تفسیر نمونہ ج۲۱، ص ۲۴۹

6۔ آل عمران ۷، ۳

7۔ انعام ۳۸، ۶

8۔ النحل ۸۹، ۱۶

9۔ طہرانی، محمد حسین، نور ملکوت قرآن۔

10۔ مفردات راغب، ص ۴۷۱

11۔ قصص ۱۱، ۲۸

12۔ القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن ج، ۹

13۔ یوسف ۱۱۱، ۱۲

14۔ قصص ۲۰، ۲۸

15۔ یوسف ۳، ۱۲

16۔ فروغ اللغۃ، ص ۲۹، نقل از ماہنامہ المیزان جنوری مارچ ۱۹۹۹

17۔ ابن سرور محمد اویس، المعجم الوسیط 'مادہ حکیٰ یحکی'

18۔ ہود ۴۹، ۱۱

19۔ یوسف ۱۱۱، ۱۲

20۔ خمینی، روح اللہ، تفسیر سورہ حمد، ص ۱۰۳

21۔ شیرازی، ناصر مکارم، تفسیر نمونہ ج ۴ ۳۰، ۹

22۔ نہج البلاغہ، نامہ ۳۱

23۔ کلینی، محمد یعقوب، اصول کافی، ج ۲، ص ۵۹۹

24۔ یوسف ۳، ۱۲

25۔ قصص ۲۴، ۲۸

26۔ قصص ۲۴، ۲۸

27۔ انبیاء ۲۸، ۲۱

28۔ انبیاء ۵۰، ۲۱

29۔ انبیاء ۹۰، ۲۱

30۔ الحکیم، محمد باقر، علوم قرآن، ص، ۱۷۸

31۔ ہود، ۱۲۰، ۱۱

32۔ یوسف، ۱۱۱، ۱۲

33۔ جوادی، ذیشان حیدر، انوار القرآن، ص ۵۲۹

34۔ جوادی، آملی عبداللہ، تفسیر موضوعی، قرآن کریم، ج ۶، ص ۴۰

35۔ آل عمران، ۷، ۱۳، ۱۲۸، ۳

36۔ طباطبائی محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۰، ص ۷ ۲۴

37۔ البقرہ، ۲۳۲، ۲

38۔ البقرہ، ۵، ۲ ۷ ۲

39۔ طبرسی، الفضل بن الحس، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۴۰

40۔ عرب جاہلیت کی ایک رسم جس کے تحت اگر انسان اپنی زوجہ سے یہ کہہ دیتا کہ تو میری ماں کی پشت کے برابر ہے تو اس عمل کے بعد طلاق ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی۔ فقہ جعفریہ کے مطابق چند شرائط کے تحت ''ظہار'' کرنے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے البتہ کفارہ دے کر دوبارہ حلال ہو جاتی ہے۔

41۔ المجادلہ ۳، ۵۸

42۔ یونس ۱۰، ۵۸

43۔ ھود ۱۲۰، ۱۱

44۔ زمر ۲۳، ۳۹

45۔ القرطبیؒ، محمد بن احمد، الجامع الاحکام القرآن ج، ۱۵، ص ۱۴۱

46۔ الحاقہ ۵۰، ۴۸، ۴۹

47۔ التکویر ۲۵، ۲۶، ۸۱

48۔ ری شہری، محمد، میزان الحکمہ ح، ۱۶۵۱۳